Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 03, July - September 2026, **PP**: 147-162
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

علم علل حدیث اور جدید فرانزک سائنس میں پوشیدہ نقائص کی تشخیص: ایک تقابلی و منہجی مطالعہ

Detection of Hidden Defects in ʻIlm ʻIlal al-Ḥadīth and Modern Forensic Science: A Comparative Methodological Study

1. Fatima Gulzar fatimagulzar86@gmail.com	*Ph. D Scholar,* *Department of Islamic Thought, History and Culture,* *Allama Iqbal Open University, Islamabad.*
2. Muhammad Ahmad drmeerahmadmalik@gmail.com	• *Lecturer,* *Department of Islamic Studies,* *Dar-ul-Madina International University, Islamabad.* • *Ph. D Scholar, The Islamia University of Bahawalpur.*

How to Cite:	Fatima Gulzar and Muhammad Ahmad. 2026: "Detection of Hidden Defects in ʻIlm ʻIlal al-Ḥadīth and Modern Forensic Science: A Comparative Methodological Study". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (03): 147-162.
Article History:	**Received**: 18-07-2026 | **Accepted**: 15-08-2026 | **Published**: 31-08-2026
Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.
Conflict of Interest:	Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

علم علل حدیث اور جدید فرانزک سائنس میں پوشیدہ نقائص کی تشخیص: ایک تقابلی و منہجی مطالعہ

Detection of Hidden Defects in ‘Ilm ‘Ilal al-Ḥadīth and Modern Forensic Science: A Comparative Methodological Study

1. **Fatima Gulzar**
   Ph. D Scholar, Department of Islamic Thought, History and Culture,
   Allama Iqbal Open University, Islamabad.
   fatimagulzar86@gmail.com

2. **Muhammad Ahmad**
- *Lecturer, Department of Islamic Studies, Dar-ul-Madina International University, Islamabad.*
- *Ph. D Scholar, The Islamia University of Bahawalpur.*
  drmeerahmadmalik@gmail.com

Abstract

Every discipline that depends on transmitted information eventually confronts the same problem: a report may satisfy every visible criterion of soundness and still be unsafe to rely upon, because the defect within it is concealed rather than apparent. Muslim ḥadīth critics named this concealed defect ‘Illah and built around it the most demanding branch of ḥadīth scholarship, ʿIlm al-ʿilal. Modern forensic science, after two decades of internal audit, has arrived at a structurally similar problem: latent defects arising at collection, custody, analysis, interpretation or reporting that no surface inspection reveals. This study places the two systems side by side. It first reconstructs the lexical and technical meaning of ‘Illah from the primary Arabic sources and from recent Arabic scholarship, then sets out the critics' operative procedure in detail: iʿtibār and the assembling of all lines of transmission, the ranking of trustworthy transmitters, ‘ilal by singularity and by contradiction, and the wide repertoire of corroborative indicators qara in that the critics deployed, twenty-two drawn from the isnad, twelve from the matn and six externals. Documented cases from al-Ḥakim, Ibn Abī Ḥātim, al-Bukhari, Aḥmad and al-Dāraquṭnī illustrate the method at work. The study then examines the forensic literature on chain of custody, method validation, cognitive bias and linear sequential unmasking, and surveys parallel defect-detection systems in textual criticism, digital forensics, forensic accounting and non-destructive testing. A comparative matrix identifies shared methodological principles and decisive divergences, and the charge that the comparison is contrived is answered directly. The study concludes that declaring a report sound on the strength of a superficially intact chain alone is methodologically indefensible.

Keywords: *Criticism, Ḥadīth, Defect, Forensic Science, Ilah, Isnād.*

موضوعِ تحقیق کا تعارف

انسانی علم کا بیشتر حصہ اس اطلاع پر کھڑا ہے جو ہم تک کسی اور کے واسطے سے پہنچی ہے۔ ہم نے نہ وہ واقعہ دیکھا، نہ وہ کلام سنا، ہمارے پاس صرف ایک بیان ہے جو کئی ہاتھوں سے گزر کر آیا۔ اسی لیے ہر وہ تہذیب جس نے علم کو سنجیدگی سے لیا، اس نے یہ سوال اٹھایا کہ منقولہ خبر پر اعتماد کی حد کہاں ہے اور اس میں چھپی ہوئی خرابی کیسے پکڑی جائے؟ اس سوال کا سب سے منظم جواب

اسلامی روایت میں محدثین نے دیا۔ انہوں نے صرف یہ نہیں دیکھا کہ سند متصل ہے یا نہیں اور راوی ثقہ ہے یا نہیں، یہ تو ظاہری تحقیق تھی جس کے آگے رک جانا ان کے نزدیک ادھورا کام تھا۔ انہوں نے اس سے آگے بڑھ کر ایک ایسا مستقل شعبہ قائم کیا جس کا موضوع ہی وہ روایت ہے جو ہر ظاہری معیار پر پوری اُترتی ہے، مگر جس کے اندر ایک باریک، مخفی اور قادح عیب موجود ہوتا ہے۔ اسی شعبے کا نام عِلمُ عِلَلِ الحدیث ہے اور یہی وہ میدان ہے جس میں محدثین کی اصل صناعت اور اصل عبقریت کھلتی ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ آج جدید فرانزک سائنس بھی بعینہٖ اسی نوعیت کے مسئلے سے نبرد آزما ہے۔ ایک نمونہ لیبارٹری رپورٹ میں بظاہر بے عیب نظر آتا ہے، مگر ممکن ہے جائے وقوعہ پر اُس میں آلودگی آچکی ہو یا اُس کی منتقلی کا ریکارڈ ادھورا ہو یا تجزیہ کار کے ذہن پر پہلے سے موجود معلومات کا سایہ پڑ چکا ہو۔ یہ سب پوشیدہ نقائص ہیں جو ظاہری صحت کے پردے میں چھپے رہتے ہیں اور جن کی دریافت کے لیے ایک الگ نظام جانچ درکار ہوتا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ ان دو نظاموں کا تقابلی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ یہ تقابل ماہیّت کا نہیں بلکہ منہج کا ہے اور ابتداء ہی سے اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ بحث کسی مصنوعی مماثلت پر قائم نہ ہو۔

موضوع کا مرکزی نکتہ ایک ہی سوال ہے: جب کوئی خبر یا شہادت اپنے تمام ظاہری اوصاف میں درست دکھائی دے، تب ماہر کس بنیاد پر کہتا ہے کہ اس میں خرابی ہے؟ محدثین کے ہاں اس خرابی کو علت کہا جاتا ہے اور جدید فرانزک ادب میں اسے latent یا hidden defect کہا جاتا ہے۔ دونوں میں یہ خرابی دو خصوصیات رکھتی ہے: وہ مخفی ہوتی ہے اور وہ قادح یعنی نتیجے کو متاثر کرنے والی ہوتی ہے۔ اگر خرابی ظاہر ہو تو وہ ابتدائی جانچ ہی میں پکڑی جاتی ہے اور علت کہلانے کی مستحق نہیں اور اگر وہ نتیجے پر اثر انداز نہ ہو تو بھی اُسے علت شمار نہیں کیا جاتا۔

علم علل حدیث کی ضرورت واہمیت

اس مطالعے کی ضرورت چار پہلوؤں سے ہے۔ اوّل عصر حاضر میں سنت پر ہونے والے متعدد اعتراضات کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ محدثین نے صرف سند کی ظاہری زنجیر دیکھی اور متن کی داخلی تحقیق نہیں کی۔ علم علل اس مفروضے کی جڑ کاٹ دیتا ہے، کیونکہ یہ علم ہی سراسر داخلی، متنی اور قرائنی جانچ پر قائم ہے۔ دوم آج تحقیقی حلقوں میں "اطلاعاتی سالمیت" ایک مستقل موضوع بن چکا ہے، اس عالمی گفتگو میں اسلامی روایت کا حصہ متعارف کرانا ایک علمی فریضہ ہے۔ سوم خود فرانزک سائنس اپنے اندرونی احتساب کے دور سے گزری ہے اور اس احتساب کے نتیجے میں جو حفاظتی اصول سامنے آئے ہیں وہ محدثین کے وضع کردہ اصولوں سے حیرت انگیز مطابقت رکھتے ہیں۔ چہارم اور یہ سب سے اہم ہے کہ آج تحکیم حدیث کے میدان میں ایک عام رجحان یہ پیدا ہو چکا ہے کہ رواۃ سند کی "تقریب التہذیب" وغیرہ سے توثیق دیکھ کر اور اتصال سند کا ظاہری اطمینان کر کے فوراً "حدیث صحیح" لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ رجحان علم علل کے پورے ورثے کو معطل کر دیتا ہے اور اسی کی اصلاح اس مقالے کا ایک بنیادی مقصد ہے۔

اس علم کا بنیادی سرمایہ قدیم مصادر میں ہے: امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ نے اسے مستقل نوع قرار دے کر اُس کے دس اجناس گنوائے، امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے جامع اصطلاحی حد مرتب کی اور حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے "شرح علل الترمذي" میں اس کے قواعد وضوابط کو مدوّن کیا۔ عصر حاضر میں اس علم پر تین سطحوں کا کام ہوا ہے:

- تحقیق و تعلیق: جیسے ڈاکٹر نور الدین عتر اور ڈاکٹر ہمام عبد الرحیم سعید کی "شرح علل الترمذی" پر تحقیقات اور ڈاکٹر محفوظ الرحمن زین اللہ کی "العلل الواردة" پر۔
- تعارفی و تدریسی کام۔ جیسے ڈاکٹر سعد بن عبد اللہ الحُمید کی "المدخل إلى علم علل الحديث"

- موضوعاتی و تحلیلی مطالعات۔ جیسے ڈاکٹر یاسر احمد شمالی کی "دراسات في علل الحديث"، مصطفی باحو کی "العلة وأجناسها عند المحدثين" اور ڈاکٹر عادل الزرقی کی "قواعد الإعلال وقرائن التعليل"۔

ان میں شمالی کا کام قرائن اعلال کے استقصاء کے اعتبار سے خاص طور پر ممتاز ہے۔ دوسری جانب فرانزک سائنس میں امریکی نیشنل ریسرچ کونسل کی 2009ء کی رپورٹ، صدارتی مشاورتی کونسل (PCAST) کی 2016ء کی رپورٹ اور NIST کی حالیہ توثیقی رہنما دستاویز نے پوشیدہ نقائص کے مسئلے کو مرکز بحث بنایا ہے۔ تاہم ان دونوں دائروں کو ایک ساتھ رکھ کر منہجی تقابل کرنے والا سنجیدہ اردو یا عربی کام تا حال نہایت قلیل ہے اور یہی خلا اس مقالے کا محل عمل ہے۔

موضوع کے انتخاب کے چار اسباب ہیں:

1. علم علل علوم حدیث کا مشکل ترین اور کم تدریس شدہ شعبہ ہے، اردو زبان میں اِس پر تحقیقی مواد نہ ہونے کے برابر ہے۔
2. جدید تحقیقی اصطلاحات کے آئینے میں پیش کیے جانے پر یہ علم طالب علم کے لیے کہیں زیادہ قابل فہم ہو جاتا ہے۔
3. بین العلومی مطالعات کو عالمی علمی حلقوں میں خاص اہمیت حاصل ہے، بشرطیکہ وہ حدود کے التزام کے ساتھ ہوں۔
4. اس تقابل سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ محدثین کا نظام نقد محض ایک مذہبی رسم نہ تھا، بلکہ ایک باقاعدہ، قابل تعریف، قابل اطلاق اور اپنے وقت سے صدیوں آگے کا تحقیقی طریقۂ کار تھا۔

اس مقالے میں استقرائی، تحلیلی اور تقابلی منہج اختیار کیا گیا ہے۔ علم علل سے متعلق تمام مواد براہ راست بنیادی عربی مصادر اور معاصر عربی تحقیقات سے اخذ کیا گیا ہے اور فرانزک سائنس سے متعلق مواد سرکاری و ادارہ جاتی مطبوعات اور محکم علمی جرائد سے لیا گیا ہے۔ ہر عربی و انگریزی اقتباس اصل زبان میں دیا گیا ہے اور حوالے کا نمبر اصل عبارت پر ہے، اس کے نیچے اردو ترجمہ حوالے کے بغیر دیا گیا ہے۔

علم علل حدیث: لغوی و اصطلاحی تحقیق

اہل لغت نے مادہ «علل» کے تین بنیادی استعمالات بیان کیے ہیں: العَلَل بمعنى تكرار پہلی گھونٹ «نَہَل» اور دوسری «عَلَل» کہلاتی ہے العِلَّة بمعنى مرض اور العِلَّة بمعنی وہ عارضہ جو آدمی کو اس کے اصل کام سے روک دے۔[1] ابن منظور افریقی نے ان معانی کو یوں جمع کیا ہے:

> وَقَدِ اعْتَلَّ العَلِيلُ عِلَّةً صَعْبَةً، وَالعِلَّةُ المَرَضُ. عَلَّ يَعِلُّ وَاعْتَلَّ أَي مَرِضَ، فَهُوَ عَلِيلٌ وَالعِلَّةُ: يَشْغَلُ صاحِبَه عَنْ حاجَتِهِ، كَأَنَّ تِلْكَ العِلَّةَ صارَتْ شُغْلًا ثانِيًا مَنَعَه عَنْ شُغْلِهِ الأَوَّلِ وَهَذَا عِلَّةٌ لِهَذَا أَيْ سَبَبٌ۔[2]
>
> بیمار کو سخت بیماری لاحق ہوئی اور «علّت» مرض کو کہتے ہیں۔ "عَلَّ يَعِلُّ" اور "اعْتَلَّ" کے معنی بیمار ہونا ہیں، اور ایسا شخص عَلیل کہلاتا ہے اور علّت وہ عارضہ ہے جو آدمی کو اس کی ضرورت سے مشغول کر دے، گویا وہ عارضہ ایک دوسرا مشغلہ بن گیا جس نے اسے پہلے کام سے روک دیا اور یہ اُس کی علّت ہے یعنی سبب ہے۔

محدثین کی اصطلاح کے سب سے قریب پہلا معنی یعنی مرض ہے۔ وجہ لطیف ہے: جس طرح مرض ایک ایسے جسم کو اندر سے کھوکھلا کرتا ہے جو باہر سے تندرست دکھائی دیتا ہے، اسی طرح علت اس روایت کو باطل کرتی ہے جو بظاہر صحیح نظر آتی ہے۔ اسی مناسبت سے امام مسلم نے امام بخاری کو "طبيبَ الحديثِ في عِلَلِه" کہا اور اسی سے یہ فن اپنی پوری تصویر پا لیتا ہے۔

اصطلاحی تعریف

اس فن کی سب سے پہلی اصطلاحی تحدید امام حاکم نیشاپوری (م405ھ) رحمہ اللہ کے ہاں ملتی ہے۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے علم علل کو جرح و تعدیل سے قطعی طور پر الگ کر کے ایک مستقل فن قرار دیا:

هُوَ عِلْمٌ بِرَأْسِهِ غَيْرُ الصَّحِيحِ وَالسَّقِيمِ وَالْجَرْحِ وَالتَّعْدِيلِ ... وَإِنَّمَا يُعَلَّلُ الْحَدِيثُ مِنْ أَوْجُهٍ لَيْسَ لِلْجَرْحِ فِيهَا مَدْخَلٌ، فَحَدِيثُ الْمَجْرُوحِ سَاقِطٌ وَاهٍ، وَعِلَّةُ الْحَدِيثِ تَكْثُرُ فِي أَحَادِيثِ الثِّقَاتِ، أَنْ يُحَدِّثُوا بِحَدِيثٍ لَهُ عِلَّةٌ فَيَخْفَى عَلَيْهِمْ عِلْمُهُ، فَيَصِيرُ الْحَدِيثُ مَعْلُولًا۔[3]

یہ ایک مستقل علم ہے، صحیح و سقیم کے علم سے بھی الگ اور جرح و تعدیل سے بھی الگ اور حدیث کو معلول صرف اُن پہلوؤں سے قرار دیا جاتا ہے جن میں جرح کا کوئی دخل نہیں ہوتا، کیونکہ مجروح راوی کی حدیث تو ویسے ہی ساقط اور کمزور ہے۔ حدیث کی علت تو ثقہ راویوں کی روایات میں کثرت سے پائی جاتی ہے: وہ ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جس میں علت ہوتی ہے مگر اس کا علم ان پر مخفی رہ جاتا ہے، پس حدیث معلول بن جاتی ہے۔

یہ عبارت اس پورے فن کی کنجی ہے اور اس میں تین اصول بیک وقت طے ہو جاتے ہیں:

- علم علل کا میدان ثقات کی روایات ہے، ضعفاء کی نہیں۔ (جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فتاویٰ رضویہ 5 / 207 پر کی ہے کہ: "معلول... کہ اُس کے لئے کچھ ضعفِ راوی ضرور نہیں بلکہ باوصف وثاقت وعدالتِ رواۃِ حدیث میں علت قادحہ ہوتی ہے کہ اُس کا رَد واجب کرتی ہے جسے بخاری وابوداؤد وغیرہما سے ناقدین پہچانتے ہیں"۔)
- علت کا مدار خفا پر ہے یعنی وہ خرابی جو خود بیان کرنے والے ثقہ راوی پر بھی مخفی رہ جائے۔
- یہ فن جرح و تعدیل کا ذیلی باب نہیں بلکہ اس سے آگے کا اور اس سے دقیق تر مرحلہ ہے۔

امام ابن صلاح رحمہ اللہ (م643ھ) نے اِسی مضمون کو باقاعدہ حد کی صورت دی:

هِيَ عِبَارَةٌ عَنْ أَسْبَابٍ خَفِيَّةٍ غَامِضَةٍ قَادِحَةٍ فِيهِ. فَالْحَدِيثُ الْمُعَلَّلُ هُوَ الْحَدِيثُ الَّذِي اطُّلِعَ فِيهِ عَلَى عِلَّةٍ تَقْدَحُ فِي صِحَّتِهِ، مَعَ أَنَّ ظَاهِرَهُ السَّلَامَةُ مِنْهَا۔[4]

علت سے مراد وہ مخفی و پیچیدہ اسباب ہیں جو حدیث میں قدح پیدا کرتے ہیں۔ پس معلول حدیث وہ ہے جس میں ایسی علت پر اطلاع ہو جائے جو اُس کی صحت میں قدح کرے، حالانکہ اُس کا ظاہر اِس علت سے سلامت دکھائی دیتا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م882ھ) رحمہ اللہ نے اِسے مختصر ترین الفاظ میں یوں بیان کیا کہ معلول "هُوَ الْحَدِيثُ الَّذِي اطُّلِعَ فِي إِسْنَادِهِ عَلَى عِلَّةٍ خَفِيَّةٍ قَادِحَةٍ"[5]۔ یعنی وہ حدیث جس کی سند میں کوئی مخفی و قادح علت دریافت ہو جائے۔ شیخ شامی نے یہاں ایک لطیف نکتہ اٹھایا ہے کہ امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے حدیث صحیح کی تعریف میں محض "ولا مُعَلَّلًا" کہا اور اس پر "قادحًا" کی قید نہیں لگائی، اس لیے کہ علت میں اصل ہی قدح ہے، جب ناقد مطلقاً کہے "یہ حدیث مُعَلّ ہے" تو اس کی مراد ہی یہ ہوتی ہے کہ روایت میں کوئی خطا واقع ہوئی ہے۔ مثلاً مرسل کو موصول بنا دینا یا موقوف کو مرفوع کر دینا۔

سببِ علت: خطائے ثقہ

چونکہ علت کا میدان ثقات کی روایات ہے، اس لیے اس کا سبب بھی ایک ہی ہے: خطائے بشری۔ راوی خواہ کتنا ہی ضابط

اور متقن ہو، ہے تو وہ بشر ہی اور اس سے خطا و نسیان واقع ہو سکتا ہے۔ شمالی نے اس نکتے پر ڈاکٹر ہمام سعید کی اس فہرست پر بھی تنقید کی ہے جس میں انہوں نے علت کے آٹھ اسباب گنوائے: خفت ضبط، اختلاط، تولّی قضا، عمی، قصر صحبت، روایت بالمعنی، تدلیس اور ضعفاء سے روایت۔ شمالی کہتے ہیں کہ غور کیجیے تو یہ سب اسبابِ ردِّ حدیث ہیں، "اسباب علت" نہیں، ان میں سے صرف پہلا یعنی عام بشری کمزوری ہی علت کا حقیقی سبب بنتا ہے، باقی سب ظاہری جرح کے دائرے میں آتے ہیں اور جو ظاہر ہو وہ علت نہیں۔[6] یہی وجہ ہے کہ ناقدین نے امام شعبہ، امام مالک اور حضرت سفیان جیسے کبار ثقات پر بھی مخصوص روایات میں خطا کا حکم لگایا اور اسی لیے انہوں نے ثقات کے مراتب کی ایک باریک درجہ بندی وضع کی: ثقة، ثقة يهم، ثقة ربما أخطأ، ثقة ثقة، ثقة ثبت، أوثق الناس، إليه المنتهى في التثبت، یہ درجہ بندی ہی وہ پیمانہ ہے جس پر اختلاف کے وقت ترجیح قائم ہوتی ہے۔

موقعِ علت: سند، متن یا دونوں

امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے فرمایا: ثُمَّ قَدْ تَقَعُ الْعِلَّةُ فِي إِسْنَادِ الْحَدِيثِ وَهُوَ الْأَكْثَرُ، وَقَدْ تَقَعُ فِي الْمَتْنِ"[7] پھر علت کبھی حدیث کی سند میں واقع ہوتی ہے اور یہی اکثر ہے اور کبھی متن میں واقع ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر تین صورتیں بنتی ہیں:

صورت	حقیقت	مثال
علت سند میں اور سند و متن دونوں میں قادح	سند بظاہر متصل و مرفوع اور رجال ثقات، مگر تحقیق سے معلوم ہو کہ صواب ارسال یا وقف یا انقطاع ہے اور متن اسی معلول طریق کے سوا کہیں سے ثابت نہیں۔	حدیث اللهم لا سهلَ إلا ما جعلتَه سهلًا قعنبی کی روایت نے اسے مرسل ثابت کیا۔
علت سند میں، مگر متن میں غیر قادح	نقص صرف ایک سند کی سطح پر ہے، متن دوسری ثابت اسانید سے محفوظ ہے یا بدلا ہوا راوی بھی ثقہ ہے۔	البيّعان بالخيار یعلیٰ بن عبید نے عبد اللہ بن دینار کی جگہ عمرو بن دینار کہا، دونوں ثقہ ہیں۔
علت خود متن میں	سند ظاہراً صحیح، مگر متن میں اضطراب، ادراج یا ایسا معنیٰ جو ثابت شدہ نصوص سے ٹکراتا ہو۔	العجوة والصخرة من الجنة مشمعل بن ایاس کا متن میں اضطراب۔

تیسری صورت پر ایک باریک اصولی نکتہ ہے، جسے امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا کہ متن کا فساد لازماً سند میں کسی خرابی کی خبر دیتا ہے۔

> وَمَتَى كَانَ الْمَتْنُ غَيْرَ صَحِيحٍ فَمُحَالٌ أَنْ يَكُونَ لَهُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ عَلَى الشَّرْطِ الْمَذْكُورِ؛ لِأَنَّ مِنْ جُمْلَةِ الشُّرُوطِ أَلَّا يَكُونَ شَاذًّا وَلَا مُعَلَّلًا فَإِنْ أُطْلِقَ عَلَيْهِ إِنَّهُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ فَلَا بِالتَّفْسِيرِ الَّذِي ذَكَرْتُمُوهُ، بَلْ بِمَعْنَى أَنَّ رِجَالَ إِسْنَادِهِ عُدُولٌ ثِقَاتٌ فَحَسْبُ۔[8]

اور جب متن صحیح نہ ہو تو یہ محال ہے کہ اس کی سند مذکورہ شرط کے مطابق صحیح ہو، کیونکہ شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حدیث نہ شاذ ہو نہ معلول۔ پس اگر اس پر اِسنادہ صحیح کا اطلاق کیا جائے تو اس تفسیر کے ساتھ نہیں جو تم نے ذکر کی، بلکہ صرف اس معنی میں کہ اُس کی سند کے رجال عادل و ثقہ ہیں، بس اتنا ہی۔

علم علل کی اہمیت اور ائمہ فن کے اقوال

اس علم کا مقام کیا تھا، اس کا اندازہ ائمہ کے اُن اقوال سے ہوتا ہے جو کتب فن میں محفوظ ہیں۔ امام عبد الرحمن بن مہدی (م198ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَأَنْ أَعْرِفَ عِلَّةَ حَدِيثٍ هُوَ عِنْدِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْتُبَ عِشْرِينَ حَدِيثًا لَيْسَ عِنْدِي[9]

میں ایک ایسی حدیث کی علت پہچان لوں جو پہلے ہی میرے پاس موجود ہے۔ یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ بیس ایسی حدیثیں لکھ لوں جو میرے پاس نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس فن کی نوعیت اور اس کے لیے مطلوب اہلیت کو یوں بیان کیا:

وَهُوَ مِنْ أَغْمَضِ أَنْوَاعِ عُلُومِ الْحَدِيثِ وَأَدَقِّهَا، وَلَا يَقُومُ بِهِ إِلَّا مَنْ رَزَقَهُ اللهُ تَعَالَى فَهْمًا ثَاقِبًا وَحِفْظًا وَاسِعًا وَمَعْرِفَةً تَامَّةً بِمَرَاتِبِ الرُّوَاةِ، وَمَلَكَةً قَوِيَّةً بِالْأَسَانِيدِ وَالْمُتُونِ، وَلِهَذَا لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْ أَهْلِ هَذَا الشَّأْنِ۔[10]

اور یہ علوم حدیث کی سب سے پیچیدہ اور سب سے باریک نوع ہے۔ اسے وہی سنبھال سکتا ہے جسے اللہ نے تیز فہم، وسیع حافظہ، رواۃ کے مراتب کی مکمل معرفت اور اسانید و متون میں مضبوط ملکہ عطاء کیا ہو۔ اسی لیے اس فن میں اہل فن میں سے بھی بہت کم لوگوں نے کلام کیا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس صناعت کے اختصاصی ہونے کو یوں بیان کیا:

وَاعْلَمْ رَحِمَكَ اللهُ أَنَّ صِنَاعَةَ الْحَدِيثِ وَمَعْرِفَةَ أَسْبَابِهِ مِنَ الصَّحِيحِ وَالسَّقِيمِ إِنَّمَا هِيَ لِأَهْلِ الْحَدِيثِ خَاصَّةً، لِأَنَّهُمُ الْحُفَّاظُ لِرِوَايَاتِ النَّاسِ الْعَارِفُونَ بِهَا دُونَ غَيْرِهِمْ۔[11]

اور جان لے اللہ تجھ پر رحم کرے کہ حدیث کی صناعت اور صحیح و سقیم کے اسباب کی معرفت خاص اہل حدیث ہی کا میدان ہے، کیونکہ وہی لوگوں کی روایات کے حافظ اور ان سے واقف ہیں، دوسرے نہیں۔

جب امام ابوزرعہ رازی (م264ھ) رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو امام ابو حاتم رازی (م277ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا: ذَهَبَ الَّذِي كَانَ يُحْسِنُ هَذَا الْمَعْنَى، مَا بَقِيَ بِمِصْرَ وَلَا بِالْعِرَاقِ أَحَدٌ يُحْسِنُ هَذَا"[12] وہ شخص چلا گیا جو اس فن کو خوب جانتا تھا، اب نہ مصر میں کوئی باقی ہے نہ عراق میں جو اسے خوب جانتا ہو۔ اس ایک جملے میں اس دور کے سب سے بڑے ناقد کا اعتراف ہے کہ یہ علم چند افراد کے سینوں میں تھا۔

علت کی تشخیص کا منہج

محدثین نے علت کی دریافت کو ذاتی ذوق پر نہیں چھوڑا۔ ان کے عمل کا استقراء کیجیے تو ایک منظم، مرحلہ وار طریقۂ کار سامنے آتا ہے جس کے تین ستون ہیں: الاعتبار تمام طرق کا جمع اور تخریج، خبر بالرواۃ رواۃ کے مراتب کی معرفت اور الاستعانۃ بالقرائن قرائن سے مدد۔[13]

الاعتبار اور جمع طرق

پہلا اور بنیادی ترین قدم یہ ہے کہ ایک ہی حدیث کے تمام دستیاب طرق جمع کیے جائیں۔ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کا مشہور جملہ اسی اصول کا خلاصہ ہے:

الْبَابُ إِذَا لَمْ تُجْمَعْ طُرُقُهُ لَمْ يَتَبَيَّنْ خَطَؤه۔[14]

جب تک کسی باب کے تمام طرق جمع نہ کیے جائیں، اس کی غلطی واضح نہیں ہوتی۔

یہاں باب سے مراد فقہی باب نہیں بلکہ ایک معین صحابی سے مروی حدیث ہے۔ ہر حدیث کے اپنے طرق، اپنے رجال اور اپنے قرائن ہوتے ہیں اور ناقد انہیں دوسری احادیث سے الگ کر کے پرکھتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہی بات ایک اور پہلو سے کہی: "الْحَدِيثُ إِذَا لَمْ تَجْمَعْ طُرُقَهُ لَمْ تَفْهَمْهُ، وَالْحَدِيثُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا"[15] حدیث کے طرق جمع نہ کرو تو تم اسے سمجھ ہی نہیں سکتے اور حدیث کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس مرحلے کو مکمل منہج کی صورت میں بیان کیا:

وَالسَّبِيلُ إِلَى مَعْرِفَةِ عِلَّةِ الْحَدِيثِ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ طُرُقِهِ، وَيُنْظَرَ فِي اخْتِلَافِ رُوَاتِهِ، وَيُعْتَبَرَ بِمَكَانِهِمْ مِنَ الْحِفْظِ وَمَنْزِلَتِهِمْ فِي الْإِتْقَانِ وَالضَّبْطِ[16]

حدیث کی علت جاننے کا راستہ یہ ہے کہ اس کے تمام طرق جمع کیے جائیں، اس کے راویوں کے اختلاف پر نظر ڈالی جائے اور ان کے حفظ کے مرتبے اور اتقان وضبط میں ان کے مقام کو ملحوظ رکھا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے پورے فن کا مرکزی نکتہ ایک جملے میں سمیٹ دیا: "مَدَارُ التَّعْلِيلِ فِي الْحَقِيقَةِ عَلَى بَيَانِ الِاخْتِلَافِ"[17] تعلیل کا اصل مدار درحقیقت اختلاف کی وضاحت پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علت کی تلاش دراصل تفاوت کی تلاش ہے۔ دو یا زیادہ روایتوں میں وہ فرق ڈھونڈنا جو دونوں کے بیک وقت صحیح ہونے کو ناممکن بنادے۔ اِس اصول پر عمل کس درجہ مشکل تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام شعبہ رحمہ اللہ ایک حدیث ایک یا دو بار سن کر بیان کرنے سے انکار کر دیتے تھے جب تک اسے کئی بار نہ سن لیتے اور امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین حنفی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر ہم ایک حدیث تیس سندوں سے نہ لکھتے تو اسے سمجھ ہی نہ پاتے۔[18]

رواۃ کے مراتب کی معرفت

محض رواۃ میں اختلاف کا علم ہو جانا کافی نہیں، اصل سوال یہ ہے کہ اختلاف کرنے والا کون ہے۔ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اِسے مستقل قاعدہ بنایا:

الْوَجْهُ الثَّانِي: مَعْرِفَةُ مَرَاتِبِ الثِّقَاتِ، وَتَرْجِيحُ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ عِنْدَ الِاخْتِلَافِ وَهُوَ الَّذِي يَحْصُلُ مِنْ مَعْرِفَتِهِ وَإِتْقَانِهِ وَكَثْرَةِ مُمَارَسَتِهِ الْوُقُوفُ عَلَى دَقَائِقِ عِلَلِ الْحَدِيثِ[19]

دوسری صورت: ثقات کے مراتب کی معرفت اور اختلاف کے وقت بعض کو بعض پر ترجیح دینا اور یہی وہ چیز ہے جس کی معرفت، اتقان اور کثرت مشق سے علل حدیث کے دقائق پر اطلاع حاصل ہوتی ہے۔

اس میں شامل ہے: راوی کے حفظ کا درجہ، اس کا مُقِلّ ہونا یا مُکثِر، اس کا وطن، اُس کے سماع کی تاریخ، وہ کتاب سے روایت کرتا ہے یا حافظے سے، وہ اپنے شیخ کا ملازم تھا یا نہیں۔ یہ سب وہ متغیرات ہیں جن پر ترجیح کا فیصلہ قائم ہوتا ہے۔

دو بنیادی مظنّے: التفرد اور المخالفة

امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے تشخیص کے پورے عمل کو ایک جملے میں سمو دیا ہے:

وَيُسْتَعَانُ عَلَى إِدْرَاكِهَا بِتَفَرُّدِ الرَّاوِي وَبِمُخَالَفَةِ غَيْرِهِ لَهُ، مَعَ قَرَائِنَ تَنْضَمُّ إِلَى ذَلِكَ تُنَبِّهُ الْعَارِفَ بِهَذَا الشَّأْنِ عَلَى إِرْسَالٍ فِي الْمَوْصُولِ، أَوْ وَقْفٍ فِي الْمَرْفُوعِ، أَوْ دُخُولِ حَدِيثٍ فِي حَدِيثٍ، أَوْ وَهَمٍ بِغَيْرِ ذَلِكَ، بِحَيْثُ يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّهِ ذَلِكَ، فَيَحْكُمُ بِهِ، أَوْ يَتَرَدَّدُ فَيَتَوَقَّفُ فِيهِ[20]

اور اس علت کے ادراک میں مدد لی جاتی ہے راوی کے تفرد سے اور دوسروں کے اس کی مخالفت کرنے سے، ان قرائن کے ساتھ جو ان کے ساتھ شامل ہو کر اس فن کے واقف کار کو متنبہ کر دیتے ہیں کہ موصول میں دراصل ارسال ہے یا مرفوع میں وقف ہے یا ایک حدیث دوسری میں داخل ہو گئی ہے یا کوئی اور وہم ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا ظن غالب اسی طرف ہو جائے، پس وہ حکم لگادے یا متردد رہے تو توقف کر لے۔

اِس ایک عبارت میں پورا نظامِ نقد موجود ہے۔ اعتبار کے بعد ناقد دو میں سے ایک صورت کے سامنے ہوتا ہے: تفرد کسی نے راوی کے ساتھ شرکت نہیں کی یا تعدد اور تعدد کی دو صورتیں ہیں: اتفاق کے ساتھ یہی متابعات ہیں یا اختلاف کے ساتھ اور اسی دوسری صورت سے علت دریافت ہوتی ہے اور آخری جملہ سب سے اہم ہے: نتیجہ قطعی نہیں بلکہ غلبہ ظن پر ہے اور اگر ظن قوی نہ ہو تو توقف۔ یہ اعتراف ظنیت اس فن کی علمی دیانت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

الف: اعلال بالتفرد

تفرد بذات خود علت نہیں بلکہ مظنۂ علت ہے۔ ناقد دیکھتا ہے: کیا راوی کا مرتبہ ایسا ہے کہ اس سے تفرد قبول کیا جا سکے؟ کیا وہ اپنے شیخ کا ملازم تھا؟ کیا وہ باب ایسا ہے جس میں تفرد متوقع ہو؟ امام ابو حاتم رحمہ اللہ کا اسلوب اس میں نہایت دقیق ہے۔ ایک روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ: یہ روایت ان اسانید سے مشابہ نہیں جو اس شیخ سے معروف ہیں۔ اور محض اس عدم مشابہت کو علت کا قرینہ بنا دیا۔

ب: اعلال بالمخالفة

جب دو ثقہ راوی ایک ہی شیخ سے مختلف صورتیں نقل کریں تو ترجیح کے دو بنیادی قاعدے ہیں: ترجیح بالأکثر زیادہ تعداد کی روایت اور ترجیح بالأحفظ زیادہ حافظے والے کی روایت۔ شمالی کے مطابق یہی الضبط اور الکثرة ناقدین کے ہاں ترجیح کے دو مرکزی قاعدے ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب قرائن ہیں جو ترجیح میں مدد دیتے ہیں۔[21]

ج: اتحادُ المخرج

تیسرا اہم اصول یہ ہے کہ ناقد پہلے یہ متعین کرتا ہے کہ روایتوں کا مخرج یعنی وہ نقطہ جہاں سے وہ سب نکلی ہیں، ایک ہے یا مختلف۔ اگر مخرج ایک ہو تو اختلاف لازماً کسی ایک راوی کے وہم پر دلالت کرتا ہے اور اگر مخرج الگ الگ ہوں تو دونوں روایتیں بیک وقت درست ہو سکتی ہیں۔ یہی وہ باریکی ہے جس کی رعایت نہ کرنے سے معاصر تخریج میں سب سے زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں۔

اجناس علت: خطا کی صورتوں کا استقراء

اجناس علت سے مراد وہ صورتیں ہیں جن میں ثقہ راوی سے خطا واقع ہوتی ہے۔ اس باب میں سبقت امام حاکم رحمہ اللہ کو حاصل ہے، جنہوں نے دس اجناس مثالوں کے ساتھ گنوائے، مگر خود اعتراف کیا کہ یہ تام نہیں:

"فَقَدْ ذَكَرْنَا عِلَلَ الْحَدِيثِ عَلَى عَشَرَةِ أَجْنَاسٍ، وَبَقِيَتْ أَجْنَاسٌ لَمْ نَذْكُرْهَا، وَإِنَّمَا جَعَلْتُهَا مِثَالًا لِأَحَادِيثَ كَثِيرَةٍ مَعْلُولَةٍ لِيَهْتَدِيَ إِلَيْهَا الْمُتَبَحِّرُ فِي هَذَا الْعِلْمِ"[22]

ہم نے علل حدیث کو دس اجناس پر ذکر کیا اور کچھ اجناس باقی رہ گئیں جو ہم نے ذکر نہیں کیں، میں نے انہیں محض بہت سی معلول احادیث کے لیے نمونہ بنایا ہے تا کہ اِس علم میں گہرائی رکھنے والا اُن تک راہ پالے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اِن اجناس کے لیے عنوانات وضع کیے، شیخ طاہر جزائری نے وہی عنوانات نقل کیے اور ڈاکٹر یاسر شمالی نے اُن پر نظر ثانی کر کے عنوانات مرتب کیے اور مزید اجناس کا اضافہ کیا۔[23] ان کا خلاصہ یہ ہے کہ علم علل حدیث میں محدثین نے روایات کے پوشیدہ نقائص کو باقاعدہ مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں راوی کا قولِ تابعی یا موقوف روایت کو مرفوع بنا دینا، سند میں کسی راوی کو گرا دینا یا بڑھا دینا، ایک راوی یا صحابی و تابعی کی جگہ دوسرے کو بیان کرنا، سماع کی غلط تصریح کرنا، مبہم راوی کو متعین کر دینا، سند یا متن کا مضطرب ہونا، ایک حدیث کا دوسری حدیث میں داخل ہو جانا اور راوی کا ایسی جگہ تفرد کرنا جہاں اس کے مرتبے کے اعتبار سے اس کا تفرد قابل قبول نہ ہو شامل ہیں۔ اس پوری درجہ بندی کی اہمیت یہ ہے کہ یہ حدیثی روایات میں پیدا ہونے والی مختلف قسم کی غلطیوں کی ایک منظم درجہ بندی پیش کرتی ہے، جس سے محدثین کے دقیق نقدِ حدیث اور روایت کی چھپی ہوئی علت کو پہچاننے کے منہج کی وضاحت ہوتی ہے۔

قرائن اعلال: ائمہ علل کی کاوش

اگر علم علل کا کوئی ایک حصہ ایسا ہے جو معاصر طالب علم حدیث کو حیران کر دیتا ہے تو وہ قرائن اعلال کا باب ہے۔ قرینہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو روایت کے گرد موجود ہو اور اُس کے صحیح یا خطا ہونے کی طرف رہنمائی کرے۔ ڈاکٹر یاسر شمالی نے کتب علل بالخصوص عللِ ابن ابی حاتم، علل احمد اور علل الدار قطنی کے استقراء سے یہ قرائن جمع کیے اور ان کا خلاصہ اپنی خاتمۂ بحث میں یوں بیان کیا کہ اسنادی قرائن بائیس، متنی قرائن بارہ اور خارجی قرائن چھ ہیں۔[24] یہاں ایک اصولی تنبیہ ضروری ہے جسے ڈاکٹر شمالی نے بار بار دہرایا ہے: قواعدِ ترجیح اور قرائن تعلیل دو الگ چیزیں ہیں۔ ترجیح کے صرف دو مرکزی قاعدے ہیں ضبط اور کثرت۔ باقی سب قرائن ہیں جو ترجیح میں معاون بنتے ہیں۔ اس موضوع پر معاصرین میں سے اکثر نے ان دونوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔

اسنادی قرائن

اسنادی قرائن سے مراد وہ علامات اور شواہد ہیں جنہیں محدثین کسی روایت کی صحت یا کسی راوی کی بیان کردہ سند میں خطا کی نشاندہی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ راوی نے معروف سند اختیار کی ہے یا محفوظ سند، شیخ سے اس کا سماع کس طرح اور کب ہوا، وہ اپنے مخصوص شیخ یا اہل خانہ سے روایت میں کتنا مضبوط ہے، کسی خاص علم یا باب میں اس کی تخصص ہے یا نہیں اور اس کی روایت اس کے شیخ کی اصل کتاب اور معروف روایات سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ اسی طرح راوی کا فقہی فہم، مخالف راوی کا اضطراب، شیخ کا کسی روایت سے لاعلمی کا اظہار، سند کا غیر معمولی یا اجنبی ہونا اور ایسے راوی کا کسی موقع پر حدیث کو مرفوع نہ کرنا جس کی عادت رفع کی ہو، بھی اہم قرائن ہیں۔ گویا محدثین صرف سند کے ظاہری اتصال کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ راوی، شیخ، سماع، کتاب، حافظہ، تخصص اور روایت کے معروف طریقوں کو باہم ملا کر یہ فیصلہ کرتے تھے کہ کون سی سند محفوظ ہے اور کہاں خفیہ علت کا احتمال ہے۔[25]

متنی قرائن

یہ باب اس دعوے کا سب سے مضبوط جواب ہے کہ محدثین نے متن کی جانچ نہیں کی۔ ڈاکٹر شمالی نے یہاں ایک نہایت باریک تحدید لگائی ہے: اس سے مراد وہ مقاییسِ نقدِ متن نہیں جو وضع کے حکم سے متعلق ہیں کیونکہ موضوع احادیث عام طور پر ثقات روایت ہی نہیں کرتے اور نہ وہ اصولی قواعد جو مذاہب کے مابین مختلف فیہ ہیں جیسے مخالفت قیاس یا عمل اہل مدینہ، بلکہ مراد وہ روایات ہیں جن کی سند بظاہر صحیح ہو مگر متن کے ساتھ ایسے قرائن موجود ہوں جو خطا کی طرف اشارہ کریں۔[26]

نمبر شمار	قرینہ	مفہوم اور نمونہ
1	تمامِ معنیٰ۔	جب متن کا مفہوم ایک جگہ مکمل ہو جائے تو اس کے بعد کا کلام راوی کا ہے۔ امام احمد نے جنازے کے آگے چلنے والی روایت میں فرمایا: هذا من كلام الزهري۔
2	روایت کا قصے پر مشتمل ہونا۔	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إذا كان في الحديث قصةٌ دلَّ على أن راويه حفظه۔ (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی راوی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کے ساتھ کوئی واقعہ، قصہ یا خاص تفصیل بھی ذکر کرتا ہے جیسے وہ کہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔" یا: "میں نے آپ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا۔" یا: "میں نے آپ ﷺ کو فلاں کام کرتے ہوئے دیکھا۔" یا: "میں آپ ﷺ کے پہلو میں تھا، پھر آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔" تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ راوی نے حدیث کو پوری توجہ اور مضبوط حفظ کے ساتھ یاد رکھا ہے۔ کیونکہ ایسی جزئیات کا ذکر عموماً محض روایت نقل کرنے سے زائد قوتِ استحضار اور ضبط پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے اگر ایک راوی حدیث کو قصے اور تفصیل کے ساتھ بیان کرے اور دوسرا صرف اصل حدیث نقل کرے، تو قصے کے ساتھ روایت کرنے والے کی روایت کو حفظ و ضبط کے اعتبار سے زیادہ قوی سمجھا جاتا ہے اور اختلاف کے وقت اسی کو ترجیح ہوتی ہے۔)
3	متن کا راوی کے معتقد کے خلاف ہونا۔	امام احمد رحمہ اللہ نے الأجلح کی حضرت معاویہ کی فضیلت میں روایت کو یہ کہتے ہوئے مسترد کیا کہ: الأجلح يتشيَّع، كيف يروي مثل هذا؟![27]
4	متن کا کلام نبوت سے مشابہ نہ ہونا۔	امام ابو حاتم رحمہ اللہ کا معیار: وأن يكون كلامًا يصلح أن يكون مثلُه كلامَ النبوة۔ (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہِ علل حدیث کے متن کو یوں بھی پرکھتے تھے کہ آیا اس کے الفاظ، اسلوب اور مفہوم کلامِ نبوت کے شایانِ شان ہیں یا نہیں۔ اگر متن ایسا ہو جو نبی کریم ﷺ کے معروف طرزِ کلام سے مناسبت نہ رکھتا ہو، غیر مانوس یا نامناسب معلوم ہو، تو یہ اس کے معلول یا غیر صحیح ہونے کی ایک علامت ہو سکتی ہے۔ البتہ محض اس قرینے کی بنیاد پر حدیث کو معلول قرار نہیں دیا جاتا، بلکہ اسے سند اور دیگر قرائن کے ساتھ ملا کر دیکھا جاتا ہے۔)[28]

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کا وہ ضابطہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جو متن اور سند دونوں کو ایک ہی سانس میں سمیٹ لیتا ہے:

تُعْلَمُ صِحَّةُ الْحَدِيثِ بِعَدَالَةِ نَاقِلِيهِ، وَأَنْ يَكُونَ كَلَامًا يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ مِثْلُهُ كَلَامَ النُّبُوَّةِ،
وَيُعْرَفُ سُقْمُهُ وَإِنْكَارُهُ بِتَفَرُّدِ مَنْ لَمْ تَصِحَّ عَدَالَتُهُ بِرِوَايَتِهِ[29]

حدیث کی صحت اس کے ناقلین کی عدالت سے معلوم ہوتی ہے اور اس سے کہ وہ ایسا کلام ہو جو کلام نبوت جیسا ہونے کے قابل ہو اور اس کا ضعف و نکارت اس شخص کے تفرد سے پہچانی جاتی ہے جس کی عدالت روایت کے لیے ثابت نہ ہو۔

ڈاکٹر شمالی اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ متقدمین ناقدین متن کے نقد کا خاص اہتمام کرتے تھے، بلکہ متن میں نظر، بعض اوقات سند میں نظر سے پہلے ہوتی تھی۔

خارجی قرائن

تیسری قسم وہ قرائن ہیں جو نہ سند سے متعلق ہیں نہ متن کے داخلی اوصاف سے، بلکہ باہر سے آکر ترجیح قائم کرتے ہیں: شواہد سے ترجیح۔ اُس روایت کو ترجیح جو ثابت شدہ سنت کے موافق ہو۔ اُس روایت کو ترجیح جو نصِ قرآنی کے موافق ہو۔ راوی کا اپنا مذہب و عمل اگر راوی خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرتا ہو تو یہ اُس کے نزدیک روایت کے ثابت نہ ہونے کی علامت ہے۔ مخالفت واقع و تاریخ۔ مخالفتِ اجماع۔[30] اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ محدثین نے نقد حدیث کو صرف اسناد تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسنادی، متنی اور خارجی قرائن کو باہم مربوط کر کے روایت کی پوشیدہ علت متعین کی۔ سند کے ساتھ متن کا اسلوب، مفہوم، تاریخی واقعات اور ثابت شدہ اصولوں سے موافقت بھی دیکھی جاتی تھی، جس سے ان کے منہج کی جامعیت، دقت نظر اور تحقیقی گہرائی نمایاں ہوتی ہے۔

جدید فرانزک سائنس اور پوشیدہ نقائص

اب ہم دوسرے دائرے کی طرف آتے ہیں۔ فرانزک سائنس سے مراد وہ علم ہے جس میں سائنسی طریقے قانونی نزاعات کے حل کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ گزشتہ دو دہائیوں میں اس شعبے نے ایک غیر معمولی داخلی احتساب سے گزر کر یہ تسلیم کیا ہے کہ بہت سے فرانزک نتائج، اپنے تمام ظاہری استناد کے باوجود، پوشیدہ نقائص کے حامل ہو سکتے ہیں۔ امریکی نیشنل ریسرچ کونسل کی 2009ء کی رپورٹ اِس اعتراف کا نقطۂ آغاز ہے،[31] اور PCAST کی 2016ء کی رپورٹ نے اس سے آگے بڑھ کر پوچھا کہ مماثلت پر مبنی طریقے methodsfeature-comparison سائنسی طور پر کس حد تک مصدقہ ہیں۔[32]

سلسلۂ تحویل

شواہد کی سالمیت کا سب سے بنیادی تصور سلسلۂ تحویل ہے: وہ دستاویزی تسلسل جو ثابت کرتا ہے کہ نمونہ جائے وقوعہ سے عدالت تک کن ہاتھوں سے گزرا۔ بادئے، کپور اور مینیزس لکھتے ہیں:

The chain of custody proves the integrity of a piece of evidence.[33]

سلسلۂ تحویل کسی بھی شہادت کی سالمیت کو ثابت کرتا ہے۔

اسی مقالے میں وضاحت ہے کہ اس ریکارڈ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ نمونہ اپنی اصل حالت میں ہے، اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی اور کسی غیر مجاز شخص کو اس تک رسائی حاصل نہیں رہی اور اگر یہ سلسلہ کہیں سے ٹوٹ جائے تو عدالت اُس شہادت کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔ محد ثانہ مطالعے کے لیے یہاں دو نکات ہیں۔ پہلا: سلسلۂ تحویل بذات خود شہادت نہیں بلکہ شہادت پر اعتماد کی شرط ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سند بذات خود حدیث نہیں بلکہ حدیث پر اعتماد کی شرط ہے۔ دوسرا اور زیادہ اہم: فرانزک ماہرین کا اصرار ہے کہ منتقلیوں کی تعداد جتنی کم ہو اتنا بہتر اور یہی علوّ الإسناد کا وہ اصول ہے جس پر محدثین صدیوں سے قائم تھے۔

توثیقِ طریقۂ کار

جدید معیارات کے مطابق کسی بھی تجزیاتی طریقے کو استعمال کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ وہ اپنے مقصد کے لیے قابلِ اعتماد ہے۔ NIST کی حالیہ رپورٹ نے اس کے لیے پانچ رہنما اصول تجویز کیے اور زور دیا کہ توثیق کا کام انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اور شفاف ہونا چاہیے۔[34] یعنی نتیجے کا معیار یہ نہیں کہ ماہر نے کیا کہا، بلکہ یہ کہ کیا اس کا طریقہ دوسروں کے ہاتھوں دہرایا جا سکتا ہے۔

ذہنی جھکاؤ اور مرحلہ وار انکشاف

سب سے پوشیدہ نقص وہ ہے جو خود ماہر کے ذہن میں ہو۔ اِتیئل ڈرور[35] (Itiel E. Dro) اور ان کے رفقاء نے 2006ء میں انگشت نگاری کے ماہرین کو وہی نمونے دوبارہ دکھائے جن پر وہ پہلے فیصلہ دے چکے تھے، مگر اس بار ساتھ ایسی معلومات دی گئیں جو مخالف نتیجے کی طرف اشارہ کرتی تھیں اور اکثر ماہرین نے اپنے سابقہ فیصلوں کے خلاف رائے دی۔ مقالے کا عنوان ہی اُس کا نتیجہ ہے:

Contextual information renders experts vulnerable to making erroneous identifications.[36]

سیاقی معلومات ماہرین کو غلط شناخت کر بیٹھنے کے خطرے سے دوچار کر دیتی ہیں۔

اس کے حل کے طور پر ڈرور اور اُن کے ساتھیوں نے "مرحلہ وار خطی انکشاف" (Linear Sequential Unmasking) تجویز کیا، جس کا مرکزی تقاضا یہ ہے کہ ماہر شواہد کا تجزیہ کچھ یوں ہے:

Analyze the trace evidence in isolation from the reference material. [37]

یعنی نشان شہادت کا تجزیہ حوالہ جاتی مواد سے الگ تھلگ رہ کر کرے۔

یہ بحث اس امر کو نمایاں کرتی ہے کہ تجزیاتی علم میں صرف ماہر کی مہارت کافی نہیں، بلکہ طریقۂ کار کی قابلِ تکرار توثیق اور ذہنی تعصب سے تحفظ بھی ضروری ہے۔ علم علل حدیث کے تناظر میں یہ اصول خاص اہمیت رکھتا ہے کہ ناقد شخصی تاثر کے بجائے متعدد طرق، قرائن اور قابل تحقیق شواہد کی بنیاد پر غیر جانب دارانہ فیصلہ کرے۔

پوشیدہ نقائص کی تشخیص کے دیگر علمی نظام

ظاہری طور پر درست معلوم ہونے والی چیز میں پوشیدہ نقص تلاش کرنا صرف علمِ علل یا فرانزک سائنس تک محدود نہیں، بلکہ نقدِ نصوص، فرانزک لسانیات، ڈیجیٹل فرانزکس، فرانزک محاسبہ، طبی تشخیص اور دیگر علوم میں بھی یہی بنیادی منہج پایا جاتا ہے۔ ان تمام شعبوں میں ظاہری صورت سے آگے بڑھ کر مختلف شواہد، قرائن، سابقہ ریکارڈ اور باہمی تقابل کے ذریعے مخفی خرابی کو دریافت کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے علم علل اسی عالمگیر منہجی اصول کی ایک قدیم، جامع اور نہایت منظم مثال ہے، جس میں محدثین نے احادیث کے مخفی نقائص کی شناخت کے لیے سند، متن اور خارجی قرائن کو انتہائی باریک بینی سے استعمال کیا۔

نقدِ نصوص کے میدان میں پال ماس کی تصنیف اور Bruce M. Metzger and Bart D. Ehrman کا کام اس منہج کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں،[38] اور ڈیجیٹل فرانزکس کے اصول NIST کی مخصوص رہنما دستاویز میں مرتب ہیں۔[39] ان سب کا موازنہ کرنے کے بعد ایک بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے: ان میں سے کسی بھی نظام کے پاس خطا کی اتنی مفصل درجہ بندی نہیں جتنی ائمہ علل نے چوتھی صدی ہجری تک مرتب کر دی تھی اور نہ ہی کسی کے پاس بائیس اسنادی، بارہ متنی اور چھ خارجی قرائن جیسا کوئی مرتب نظام اشارات موجود ہے۔

تقابلی مطالعہ

علم علل حدیث اور جدید فرانزک تجزیہ کے درمیان مماثلت بنیادی طور پر منہجی اور طریقۂ کار کی سطح پر ہے، نہ کہ موضوع، مواد یا غایت کی سطح پر۔ دونوں میں بنیادی توجہ ایسے بظاہر معتبر مواد میں پوشیدہ اور مؤثر نقص کی دریافت پر ہے، جس کے لیے پہلے تمام دستیاب شواہد یا طرق جمع کر کے ان کا باہمی تقابل کیا جاتا ہے، پھر اختلافات اور انحرافات کو معیاری نمونے کی روشنی میں جانچا جاتا ہے۔ علم علل میں سند کے اتصال، سماع، معاصرت، راوی کے ضبط، قرائن اور مختلف اجناس علت کے ذریعے روایت کی پوشیدہ

خرابی متعین کی جاتی ہے، جبکہ فرانزک تجزیہ میں سلسلۂ تحویل، معیاری نمونوں، تجربہ گاہی ضوابط اور ماہر کی اہلیت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دونوں نظام ماہر کے فہم و تجربے، قرائن کے منظم استعمال، خطاؤں کی درجہ بندی اور ذہنی تعصب کے تدارک کو اہمیت دیتے ہیں، تاہم علم علل میں فیصلہ عموماً غلبۂ ظن اور محدثانہ نقد پر قائم ہوتا ہے، جبکہ جدید فرانزک نظام احتمالی نتائج اور Measurement Uncertainty کو بھی صراحت سے بیان کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں کے مابین اصل قابل استفادہ پہلو پوشیدہ نقائص کی شناخت، شواہد کے تقابلی تجزیے، قرائن کے اجتماع اور غیر جانب دارانہ فیصلہ سازی کا منہج ہے، نہ کہ دونوں علوم کو ماہیت اور موضوع کے اعتبار سے یکساں قرار دینا۔

مذکورہ گفتگو سے سات مشترک منہجی اصول اخذ ہوتے ہیں: (1) ظاہر پر اکتفانہ کرنا؛ (2) تمام دستیاب صورتوں کو جمع کرنا؛ (3) اختلاف کی نظام بند نشان دہی؛ (4) ذریعۂ نقل کے تسلسل کی جانچ؛ (5) ماہر کی اہلیت کا تعین؛ (6) نتیجے کی آزاد و غیر متأثر تصدیق اور (7) نتیجے کو اس کے ثبوت سے زیادہ قطعی نہ بنانا۔ اور اِن ساتوں میں محدثین پہل کرنے والے ہیں، پیروی کرنے والے نہیں۔

اس مطالعے کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ صرف سند کے راویوں کو ثقہ دیکھ کر حدیث کو فوراً صحیح قرار دینا درست نہیں، کیونکہ حدیث کی صحت کے لیے اس کے سند، متن اور دیگر شواہد کا مکمل جائزہ ضروری ہے۔ معاصر محققین کو خصوصاً تین باتوں سے بچنا چاہیے: رجال کی ثقاہت کو صحت حدیث سمجھ لینا، متقدم محدثین کے علل سے متعلق احکام کو نظر انداز کرنا اور مناسب تخصص و عملی مشق کے بغیر حدیث پر حکم لگانا۔ علم علل مشکل ضرور ہے، لیکن اس کا دروازہ بند نہیں۔ مسلسل کتب علل کے مطالعے، طرق کے تقابل، ائمہ کے اقوال میں تتبع اور ماہرین حدیث کی رہنمائی سے یہ علم سیکھا جا سکتا ہے۔

نتائج بحث

1. علم علل حدیث ایک مستقل، منظم اور قابلِ تعریف تحقیقی نظام ہے۔ امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ نے اسے صراحتاً جرح و تعدیل سے الگ ایک مستقل فن قرار دیا اور یہی اس فن کی سب سے بڑی اصولی بنیاد ہے۔
2. علت کے دو لازمی ارکان ہیں: خفا اور قدح۔ اس کا میدان ثقات کی روایات ہیں، ضعفاء کی نہیں کیونکہ ضعیف کی خرابی ظاہر ہے اور جو ظاہر ہو وہ علت کہلانے کی مستحق نہیں۔
3. علت کا حقیقی سبب ایک ہی ہے: انسانی حافظے کی کمزوری جو کبار ثقات حتی کہ امام سفیان ثوری اور امام شعبہ بن حجاج جیسے ائمہ کو بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ باقی جن اسباب کو بعض معاصرین نے گنوایا ہے، وہ در حقیقت اسباب رد حدیث ہیں، اسباب علت نہیں۔
4. تشخیص کا منہج تین ستونوں پر قائم ہے: الاعتبار و جمع طرق، رواۃ کے مراتب کی معرفت اور قرائن سے استعانت۔ اور ترجیح کے دو مرکزی قاعدے ہیں: ضبط اور کثرۃ؛ باقی سب قرائن ہیں۔
5. محدثین نے خطا کی ایک مکمل درجہ بندی اجناس علت مرتب کی، جو رفعِ موقوف، وقف مرفوع، وصل مرسل، ارسال موصول، اِبدالِ رواۃ، اسقاط، زیادت، تسمیۃ المبہم، اضطراب سند و متن، اور دخول حدیث فی حدیث کو شامل ہے۔
6. قرائن اعلال کا نظام اس فن کا سب سے حیرت انگیز حصہ ہے: بائیس اسنادی، بارہ متنی اور چھ خارجی قرائن اور یہ اس دعوے کا قطعی رد ہے کہ محدثین نے متن کی جانچ نہیں کی۔
7. ناقدینِ حدیث کے ہاں اِسنادہ صحیح اور حدیثٌ صحیح دو مختلف احکام ہیں۔ پہلا صرف بعض شرائط صحت کے پورا ہونے کی خبر دیتا ہے، دوسرا اس وقت تک نہیں لگایا جاتا جب تک شذوذ اور علت سے سلامتی ثابت نہ ہو جائے۔
8. جدید فرانزک سائنس نے اپنے داخلی احتساب کے نتیجے میں جو چار بنیادی حفاظتی اصول اپنائے ہیں۔ سلسلۂ تحویل، توثیق

طریقہ، ذہنی جھکاؤ کا تدارک اور حدود نتیجہ کا اعلان۔ ان سب کے واضح اور مقدم متوازی محدثین کے ہاں موجود ہیں۔

9. دونوں نظاموں کے درمیان تقابل ماہیتی نہیں بلکہ منہجی ہے۔ اور یہ تقابل مصنوعی نہیں، کیونکہ خود ائمۂ فن نے اپنے کام کو طب، صرافت اور جوہر شناسی سے تشبیہ دی ہے۔

10. پوشیدہ نقائص کی تشخیص ایک وسیع علمی خاندان کا مسئلہ ہے جس میں نقد نصوص، فرانزک لسانیات، ڈیجیٹل فرانزکس، فرانزک محاسبہ، غیر تخریبی جانچ اور طبی تشخیص سب شامل ہیں؛ اور ان میں سے کسی کے پاس بھی خطا کی اُتنی مفصل درجہ بندی موجود نہیں جتنی محدثین نے چوتھی صدی ہجری میں مرتب کر دی تھی۔

11. سند کی ظاہری صحت پر اکتفا کر کے حکم صحت لگانا اس پورے ورثے کی نفی ہے اور معاصر تحقیق میں اِسی رجحان کی اصلاح سب سے بڑی ضرورت ہے۔

سفارشات

1. جامعات میں علوم حدیث کے نصاب میں علم علل کو مستقل مضمون کے طور پر شامل کیا جائے اور اس کی تدریس میں نظری تعریفات کے بجائے عملی تطبیقات کو مرکزی حیثیت دی جائے۔

2. کتب علل، بالخصوص علل دار قطنی، علل ابن ابی حاتم اور العلل الکبیر للترمذی کو جدید قابل تلاش ڈیجیٹل ڈیٹابیس میں تبدیل کیا جائے، جس میں Artificial Intelligence (AI) کی مدد سے اسانید، رواۃ اور مختلف طرق کو باہم مربوط کیا جائے، تاکہ جمع طرق اور علل کی ابتدائی نشان دہی ہر طالب علم کے لیے آسان ہو۔

3. تخریج و تحقیق کے معیارات میں یہ شرط شامل کی جائے کہ کسی روایت پر صحیح کا حکم لگانے سے پہلے متقدمین کے احکام اور علت کی تلاش لازمی ہو اور اِسنادہ صحیح، رجالہ ثقات اور حدیث صحیح کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔

4. علم علل کے قواعد کو جدید تحقیقی اصطلاحات کے آئینے میں پیش کرنے والا ایک معیاری اردو و انگریزی تعارف تیار کیا جائے، تاکہ یہ ورثہ عالمی علمی گفتگو میں شریک ہو سکے۔

5. اس نوعیت کے بین العلومی مطالعات میں حدود تقابل کا باب لازمی قرار دیا جائے، تاکہ تشبیہ کبھی تحکم میں نہ بدلے۔

References

1 Al-Shamālī, Yāsir Aḥmad, *Dirāsāt fī ʿIlal al-Ḥadīth* (Nuskhat al-Muʾallif, faragha minhu 9 Ramaḍān 1439 AH / 25 May 2018), p. 14.

2 Ibn Manẓūr, Muḥammad ibn Mukarram, *Lisān al-ʿArab* (Beirut: Dār Ṣādir, n.d), māddah: ʿIlal, 11:471.

3 Al-Ḥākim al-Naysābūrī, *Maʿrifat ʿUlūm al-Ḥadīth* (Medina: al-Maktabah al-ʿIlmiyyah, 1971), p. 112.

4 Ibn al-Ṣalāḥ, *Maʿrifat Anwāʿ ʿUlūm al-Ḥadīth*, (Damascus: Dār al-Fikr, 2019), p. 90.

5 Ibn Ḥajar, *Nuzhat al-Naẓar fī Tawḍīḥ Nukhbat al-Fikar*, bi-wāsiṭat: al-Shamālī, *Dirāsāt fī ʿIlal al-Ḥadīth*, p. 17.

6 Al-Shamālī, *Dirāsāt fī ʿIlal al-Ḥadīth*, pp. 34–35.

7 Ibn al-Ṣalāḥ, *Muqaddimat ʿUlūm al-Ḥadīth* (maʿ al-Taqyīd wa-al-Īḍāḥ li-al-ʿIrāqī), p. 117.

8 Al-Zarkashī, *al-Nukat ʿalā Ibn al-Ṣalāḥ*, 1:121.

9 Al-Ḥākim, *Maʿrifat ʿUlūm al-Ḥadīth*, p. 112.

10 Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, *Nuzhat al-Naẓar Sharḥ Nukhbat al-Fikar*, p. 89.

11 Muslim ibn al-Ḥajjāj, *al-Tamyīz*, taḥqīq: Muḥammad Ṣubḥī Ḥallāq (Dār Aṭlas, 1st ed.), p. 218.

12 Ibn Abī Ḥātim, *Muqaddimat al-Maʿrifah li-Kitāb al-Jarḥ wa-al-Taʿdīl* (Beirut: Dār al-Fikr, n.d), p. 356

13 Ibid., pp. 79–81.

14 Al-Khaṭīb al-Baghdādī, *al-Jāmiʿ li-Akhlāq al-Rāwī wa-Ādāb al-Sāmiʿ*, taḥqīq: Muḥammad Raʾfat (Kuwait: Dār al-Falāḥ), 2:212.

15 Ibid.

16 Al-Khaṭīb al-Baghdādī, *al-Jāmiʿ li-Akhlāq al-Rāwī*, taḥqīq: Maḥmūd al-Ṭaḥḥān (Riyadh: Maktabat al-Maʿārif), 2:295; naqluhu Ibn al-Ṣalāḥ, p. 73.

17 Ibn Ḥajar, *al-Nukat ʿalā Kitāb Ibn al-Ṣalāḥ*, (Medina: al-Jāmiʿah al-Islāmiyyah), 2:711.

18 Ibn Abī Ḥātim, *al-Jarḥ wa-al-Taʿdīl* (Hyderabad Deccan, 1952), 1:161

19 Ibn Rajab, *Sharḥ ʿIlal al-Tirmidhī*, taḥqīq: Nūr al-Dīn ʿItr (Dār al-Mallāḥ, n.d), 2:467.

20 Ibn al-Ṣalāḥ, *ʿUlūm al-Ḥadīth*, p. 116.

21 Al-Shamālī, *Dirāsāt fī ʿIlal al-Ḥadīth*, p. 202.

22 Al-Ḥākim, *Maʿrifat ʿUlūm al-Ḥadīth*, p. 118.

23 Al-Shamālī, *Dirāsāt fī ʿIlal al-Ḥadīth*, pp. 41–43.

24 Ibid., p. 202.

25 Ibn Rajab, *Sharḥ ʿIlal al-Tirmidhī*, 2:725.

26 Al-Shamālī, *Dirāsāt fī ʿIlal al-Ḥadīth*, p. 168.

27 Ibn Qudāmah, Abū Muḥammad Muwaffaq al-Dīn, *al-Muntakhab min ʿIlal al-Khallāl* (KSA: Dār al-Rāyah li-al-Nashr wa-al-Tawzīʿ, 2018), 1:232.

28 Ibn Rajab, *Sharḥ ʿIlal al-Tirmidhī*, 2:872.

29 Ibn Abī Ḥātim, *al-Jarḥ wa-al-Taʿdīl*, muqaddimah bi-wāsiṭat: al-Shamālī, p. 173; wa-naḥwuhu ʿinda: Saʿd ibn ʿAbd Allāh al-Ḥumayd, *al-Madkhal ilā ʿIlm ʿIlal al-Ḥadīth* (Riyadh: Lajnat al-Daʿwah wa-al-Irshād, 1433 AH / 2012), p. 22.

30 Al-Shamālī, *Dirāsāt fī ʿIlal al-Ḥadīth*, pp. 187–201.

31 National Research Council, *Strengthening Forensic Science in the United States: A Path Forward* (Washington, DC: The National Academies Press, 2009), https://doi.org/10.17226/12589.

32 President's Council of Advisors on Science and Technology, *Report to the President: Forensic Science in Criminal Courts: Ensuring Scientific Validity of Feature-Comparison Methods* (Washington, DC: Executive Office of the President, September 2016).

33 Ashish Badiye, Neeti Kapoor, and Ritesh G. Menezes, "Chain of Custody," in *StatPearls* (Treasure Island, FL: StatPearls Publishing, updated February 13, 2023), https://www.ncbi.nlm.nih.gov/books/NBK551677/.

34 Henry Swofford et al., *Validation in Forensic Science: Guiding Principles for the Collection and Use of Validation Data*, NIST Interagency Report NIST IR 8589 (Gaithersburg, MD: National Institute of Standards and Technology, 2025), https://doi.org/10.6028/NIST.IR.8589.The report builds on the definition of validation in ISO/IEC 17025.

35 Accessed on 25 February, 2025, https://www.researchgate.net/profile/Itiel-Dror

36 Itiel E. Dror, David Charlton, and Ailsa E. Péron, "Contextual Information Renders Experts Vulnerable to Making Erroneous Identifications," *Forensic Science International* 156, no. 1 (2006): 74–78, https://doi.org/10.1016/j.forsciint.2005.10.017.

37 Itiel E. Dror et al., "Letter to the Editor — Context Management Toolbox: A Linear Sequential Unmasking (LSU) Approach for Minimizing Cognitive Bias in Forensic Decision Making," *Journal of Forensic Sciences* 60, no. 4 (2015): 1111–1112, https://doi.org/10.1111/1556-4029.12805.

38 Paul Maas, *Textual Criticism*, trans. Barbara Flower (Oxford: Clarendon Press, 1958); Bruce M. Metzger and Bart D. Ehrman, *The Text of the New Testament: Its Transmission, Corruption, and Restoration*, 4th ed. (New York: Oxford University Press, 2005).

39 Karen Kent, Suzanne Chevalier, Tim Grance, and Hung Dang, *Guide to Integrating Forensic Techniques into Incident Response*, NIST Special Publication 800-86 (Gaithersburg, MD: National Institute of Standards and Technology, 2006).